بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلامی ریاست اور بین الاقوامی معاہدے

سید جلال الدین عمری

کوئی بھی ریاست حالت جنگ اور حالتِ صلح دونوں سے گزر سکتی ہے۔ جنگ کے بارے میں اس کا نقطہ نظر صلح پر بھی اثر انداز ہوگا۔ اس لیے صلح کے بارے میں اسلام کے رویہ کی وضاحت سے پہلے جنگ کے متعلق اس کے نقطۂ نظر کی تھوڑی سی وضاحت مفید ہوگی۔

جنگ ایک خوفناک مہم ہے، یہ خطرات سے گھری ہوئی زندگی ہے۔ اس میں جان و مال کا نقصان ہے، اہل وعیال، خویش واقارب اور وطن سے دوری ہے، محاذِ جنگ کی ہولناکی ہے، زخم، چوٹ، اعضاء وجوارح کی قطع وبرید اور خون کی ارزانی ہے، اس وجہ سے انسان جنگ کے تصور ہی سے گھبراتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جنگیں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ سوال صرف اس کے مقاصد کا ہے۔ جنگیں ہوسِ اقتدار، ملک گیری اور فرماں روائی کی خواہش اور جذبۂ انتقام کے تحت بھی ہو سکتی ہیں اور ہوئی ہیں۔ ان سے فساد فی الارض پھیلتا اور تباہی وبربادی آتی ہے۔ اس طرح کی کسی بھی جنگ میں شرکت یا تعاون اسلام کے نزدیک انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔

اسلام نے جنگ کے سلسلے میں دو اقدامات کیے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ کو ایک بہت ہی اعلیٰ وارفع مقصد کے تابع بنایا۔ اسے وہ جہاد فی سبیل اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ جنگ جو اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑی جائے۔ اس میں نقصانات برداشت کرنا، زخم اور چوٹ کھانا، جان دینا اور مال لٹانا سب کچھ کارِ ثواب ہے۔ اس میں جنگ کرنے والوں کی عزت وتوقیر ہے، سربلندی اور ان کے بقا کی

ضمانت ہے۔ اس میں نوعِ انسانی کی فلاح اور عروج و ترقی ہے۔ خدا کے ہاں اس کا بے پایاں اجر و ثواب ہے۔ اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے اسے دوسری جنگوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥ (البقرہ: ۲۱۶)	تم پر قتال (جنگ) فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ شاید تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور (اسی طرح) شاید تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ (کیا تمہارے حق میں بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے) اور تم نہیں جانتے۔

اس میں جنگ سے انسان کی طبعی گھبراہٹ اور خوف کا بھی ذکر ہے اور یہ وضاحت بھی کہ جنگ خیر کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ خیر کے لیے اس کی تلخیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری نفس پر شاق گزرتی ہے لیکن اسی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں یہی حال جنگ کا ہے۔ اس میں جان و مال کے خطرات اور نقصانات تو ہیں لیکن اللہ کے دین کی سربلندی اور نوعِ انسانی کی فلاح کے لیے تلوار اٹھانا اور اس کے لیے جان و مال کے نذرانے پیش کرنا انسان کی سب سے بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام نے جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ بنانے کے ساتھ دوسرا اقدام یہ کیا کہ جنگ پر امن کو ترجیح دی۔ جنگ کی اسی حالت میں اجازت دی جب کہ امن و امان کے راستے بند ہو جائیں اور سوائے جنگ کے کوئی دوسرا راستہ کھلا نہ ہو۔ اسلام ایک دین دعوت ہے۔ وہ اپنے فکر کو عام کرنا چاہتا ہے۔ امن و امان کے ماحول میں اس پر سنجیدہ غور کرنے اور اس کے پھیلنے کے جتنے امکانات ہیں حالتِ جنگ میں یہ امکانات کم تر ہو جائیں گے، اس لیے اسلام نے امن و امان اور صلح و آشتی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ دشمن مصالحت اور جنگ بندی کے لیے آمادہ ہو تو خدا کے بھروسہ پر مصالحت

کرلی جائے تاکہ جنگ کی فضا ختم ہو اور اس کے نقصانات سے بچا جا سکے۔ احکام جنگ کے ذیل میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ (الانفال: ۶۱)	اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے

اس ذیل میں یہاں تک فرمایا کہ دشمن اگر صلح کے نام پر فریب دینا بھی چاہے تو گھبرانے اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ بہرحال صلح کی پیش کش ہو تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (الانفال: ۶۲)	وہ اگر تمہیں دھوکا دینا چاہیں (تاکہ اس مدت میں مزید جنگ کی تیاری کر سکیں) تو اللہ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ اس نے اپنی مدد سے اور مومنین کے ذریعے تمہیں تقویت پہنچائی ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی ہے۔ جہاں صلح کا امکان ہو وہاں وہ اسی کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے جنگ و صلح کی نزاکت کو بھی سامنے رکھا ہے اور تاکید کی ہے کہ ریاست اپنی خودداری اور وقار کا سودا نہ کرے۔ کمزوری کا اظہار کرنا اور ڈر کر اور دب کر صلح کی درخواست کرنا اور اس کے لیے ہاتھ پھیلانا ایک خودمختار ریاست کی عزت و آبرو کے منافی ہے۔ اسی پس منظر میں کہا گیا ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (محمد: ۳۵)	پس تم کمزوری نہ دکھاؤ اور صلح کی درخواست کرنے لگو تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو۔

معاہدۂ صلح کا احترام

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان امن و امان اور صلح کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ یہ معاہدے جن شرائط کے تحت ہوں، ان کی پابندی ضروری ہے۔

اسلام کی ہدایت ہے معاہدہ کوئی بھی ہو اس کا احترام کیا جائے اور اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ اس نے اصولی بات یہ کہی ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (المائدہ:۱) — اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو

عہد شکنی اس کے نزدیک نفاق کی علامت ہے۔ مومن اس سے پاک ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی پہچان یہ بیان فرمائی ہے:

إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ [۱] — جب عہد و پیمان کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم بین الاقوامی معاہدات کو پامال کرتی ہے تو اپنی تباہی کو دعوت دیتی ہے اور اللہ کے قانون کے تحت دشمن کے غلبے کی راہ ہموار کرتی ہے۔

ما ختر قوم بالعهد الا سلّط الله عليهم العدو [۲] — جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالی لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

ریاستی عہد و پیمان یا نا جنگ معاہدے کو اسلام نے جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہو جائے تو حکم ہے کہ قاتل ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے، لیکن اگر مقتول کا تعلق محارب قوم سے ہو تو قاتل صرف غلام آزاد کرے گا، دیت نہیں دے گا۔ اس کے برخلاف مقتول معاہد قوم کا فرد ہو تو اس کے ورثاء کو دیت بھی دی جائے گی اور غلام بھی آزاد کیا جائے گا۔ (النساء: ۹۱، ۹۲)

حضرت عبداللہ بن عباس امام شعبی اور امام نخعی فرماتے ہیں کہ مقتول چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کی دیت ایک ہو گی، امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا یہی مسلک ہے [۳]

مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے

---

[۱] بخاری: کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم من عاہد ثم غدر۔ مسلم، کتاب الایمان۔

[۲] مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الوفاء بالایمان۔

[۳] قرطبی الجامع لاحکام القرآن ۵/۲۱

درمیان جو معاہدہ طے ہوا تھا، اس کی ایک شق یہ تھی کہ کوئی مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اسے دوبارہ مکہ لوٹا دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ واپس چلا جائے تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا۔ یہ دفعہ بہت سے صحابہ پر گوشاق گزر رہی تھی لیکن اس کے باوجود معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد حضرت ابو جندل بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں مجھے ان ظالموں کے درمیان واپس نہ بھیجیے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

انا قد اعطینا ھٰؤلاءِ	ہم نے لوگوں کے ساتھ جو عہد کیا ہے
القوم ما قد علمت ولا	اسے تم جانتے ہو۔ ہمارے دین میں عہد شکنی
یصلح لنا فی دیننا الغدر	اور بے وفائی درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ
وان اللہ جاعل لك ولمن	تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ مکے میں جو
معك من المستضعفین	کمزور رہ گئے ہیں ان کے لیے کوئی صورت
فرجًا ومخرجا فانطلق الی	نکالے گا، لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس
قومك [1]	واپس جاؤ۔

یہ اسلامی تاریخ کے روشن اوراق ہیں۔ بین الاقوامی معاہدہ کے احترام کی ایسی مثال کسی اور جگہ شاید ہی مل سکے۔

بین الاقوامی معاہدات کے سلسلے کی بعض اور ہدایات یہ ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کہ ایک قوم سے ریاست کا معاہدۂ امن ہو اور دوسری قوم کے ساتھ وہ حالتِ جنگ سے گزر رہی ہو۔ اس صورت میں محارب قوم کے افراد یا ان کا کوئی گروہ کسی ایسی ریاست میں پہنچ جائے، جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہے تو وہ محفوظ و مامون ہوں گے۔ وہ عملاً اس معاہدہ میں شریک سمجھے جائیں گے جو اسلامی ریاست کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لیے ان کے خلاف بھی کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ احکام جہاد کے ذیل میں فرمایا کہ جب جہاد جاری ہے تو دشمن کا ہر جگہ مقابلہ کرو اور جہاں بھی پاؤ اسے قتل کر دو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ ..... (النساء: ۹۰)	البتہ وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے پاس پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہے (تو ان سے بھی جنگ نہ ہوگی)

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳/۳۷۴

۲۔ اسلامی ریاست کا کسی ریاست سے معاہدہ ہو اور اس معاہدے میں تیسری ریاست شریک ہونا چاہے تو شریک ہو سکتی ہے۔ اسے اس کا اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ وابستہ ہونا چاہے وابستہ ہو جائے۔ دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جن کا پابند ان کا حلیف ہے۔ حدیبیہ میں جو معاہدۂ صلح طے ہوا تھا، اس میں یہ دفعہ بھی شامل تھی کہ جو قبیلہ محمدؐ کا ساتھ دینا چاہے وہ آپ کا ساتھ دے گا اور جو قریش کی رفاقت پسند کرے، اسے اس کا حق حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس پر قبیلۂ خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہیں اور بنوبکر نے قریش کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔[1]

۳۔ کوئی ریاست غیر جانب دار رہنا چاہتی ہے، وہ جنگ میں اسلامی ریاست کا ساتھ دے رہی ہے اور نہ محارب قوم کا، تو اسلامی ریاست اس سے تعرض نہیں کرے گی۔ اسی بنیاد پر اس سے معاہدہ ہو سکتا ہے، ارشاد ہے:

...... اَوْجَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ	......یا وہ تمہارے پاس اس حال میں
صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ	آئیں کہ ان کے دل اس سے تکلیف
اَوْيُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْشَآءَ	محسوس کر رہے ہیں کہ تم سے جنگ کریں
اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ	یا اپنی قوم سے لڑیں۔ اگر اللہ چاہتا تو
فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ	انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور
فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا	لڑتے، اس لیے اگر وہ تم سے الگ
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ	رہ رہے ہیں اور لڑ نہیں رہے ہیں اور
اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا	تم سے صلح کی پیش کش کر رہے ہیں تو
(النساء: ۹۰)	اللہ نے تمہارے لیے ان پر حملہ کی کوئی
	صورت نہیں رکھی ہے۔

مطلب یہ کہ جو لوگ یہ معاہدہ کرنا چاہیں کہ جنگ میں وہ تمہارا ساتھ دیں گے اور نہ دشمن کا تو معاہدہ کر لو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ بھی تمہارے مقابلہ میں آجاتے، لیکن جب وہ اس سے کنارہ کش رہنا اور صلح کرنا چاہ رہے ہیں تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔ اسے رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔

---

[1] حوالۂ سابق۔ اس معاہدہ کا حوالہ آگے بھی آرہا ہے۔

معاہدہ کب ختم کیا جائے گا؟

معاہدہ کا دوسرا فریق اخلاص کا ثبوت نہ دے، اس کی طرف سے خلاف ورزی کے آثار ظاہر ہونے لگیں اور وہ سازش اور خفیہ تدبیریں کرتا ہوا محسوس ہو تو ریاست کو حق ہوگا کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دے لیکن اس کا صاف صاف اعلان کرنا ہوگا بغیر اعلان کیے اس کے خلاف کسی جنگی کارروائی کی اجازت نہ ہوگی۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاۤءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝ (الانفال: ۵۸)	اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو تم (ان سے کیے گئے عہد و پیمان کو) ان کی طرف اس طرح پھینک دو کہ معاہدے کے ختم ہونے کا تمہیں اور انہیں برابر علم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آیت میں فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاۤءٍ کے الفاظ آئے ہیں مشہور ماہر لغت ازہری کہتے ہیں:

المعنى اذا عاهدت قوما فخشيت منهم النقض فلا توقع بهم بمجرد ذلك حتى تعلمهم [1]	اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم کسی قوم سے معاہدہ کرو۔ پھر تمہیں اس کے نقضِ عہد کا خدشہ لاحق ہو جائے تو محض اس خدشہ کی بنا پر اس پر حملہ نہ کر دو جب تک کہ تم اسے باخبر نہ کر دو کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔

مطلب یہ کہ معاہدہ ختم ہو تو فریقِ ثانی اس سے بخوبی واقف ہو جائے۔ اس میں اسے کوئی شبہ نہ رہے۔ جس طرح تم پر یہ بات واضح ہے کہ اب معاہدہ نہیں رہا، اسی طرح اس پر بھی واضح ہو جائے۔ اس کے خلاف جنگی کارروائی کرنی بھی ہو تو اس کھلے اعلان کے بعد ہی کی جائے۔

حضرت معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک مدت کے لیے معاہدۂ امن تھا۔

---

[1] ابن حجر، فتح الباری ۶/ ۲۰۰

حضرت معاویہؓ ان کی سرکوبی کے لیے فوج لے کر روانہ ہوگئے اور یہ چاہا کہ جیسے ہی معاہدہ کی مدت پوری ہو حملہ کر دیا جائے۔ اس اثنا میں ایک شخص اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا پہنچا اور کہا اللہ اکبر! معاہدہ پورا کرنا ہوگا، دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ یہ حضرت عمرو بن عبسہؓ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے "کسی قوم سے عہد و پیمان باندھا جائے تو جب تک مدت پوری نہ ہو ہرگز اسے کھولا نہ جائے اور اس پر حملہ نہ کیا جائے۔ یا یہ کہ معاہدہ کو اس طرح ختم کر دیا جائے کہ فریق ثانی کو شک و شبہ نہ رہے اور ہماری طرح وہ بھی جان لے کہ معاہدہ ختم ہوگیا ہے"۔ اس حدیث کے سننے کے بعد حضرت معاویہؓ اس مہم سے لوٹ آئے[۱]۔ مدتِ صلح میں جنگ کے ارادہ سے حضرت معاویہؓ کے سفر کو بھی حضرت عبسہؓ نے معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ فریق ثانی کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہونے لگے ہوں، لیکن اگر کھلّم کھلّا اس کا ارتکاب ہونے لگے اور مفادِ ریاست کے خلاف اقدامات شروع ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ معاہدہ از خود ختم ہوگیا ہے۔ اب اسلامی ریاست اپنے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کی مجاز ہوگی۔ وہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کر سکتی ہے[۲]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان نصح و خیر خواہی کا تعلق ہوگا، ان میں سے کوئی بھی اپنے حلیف کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور وہ دشمن کا مل جل کر مقابلہ کریں گے[۳]۔ لیکن اس معاہدے کی انھوں نے صریح خلاف ورزی کی۔ جنگ بدر میں مشرکینِ مکہ کو ہتھیار فراہم کیے۔ جب معاہدہ یاد دلایا گیا تو معذرت کرنے لگے کہ اس معاملے میں ہم سے چوک ہوگئی۔ دوبارہ معاہدہ ہوا لیکن جنگ خندق میں دشمنوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور حملہ آوروں کا

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام بینہ وبین العدو عہد الخ، ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغدر، مسند احمد: ۴/ ۱۱۲، ۳۸۱

[۲] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۸/ ۲۲

[۳] اس معاہدے کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

ساتھ دیا[1]

جب اس طرح ایک سے دو مرتبہ ان سے عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا تو ان سے جنگ کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہے:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ	بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور
اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ	وہ ہیں جو حق کا انکار کرتے ہیں اور اس پر ایمان
لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ	نہیں لاتے جن سے تم نے معاہدہ کیا اور
مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ	وہ اپنا معاہدہ ہر بار توڑتے ہیں اور
فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝	(اس کے نتائج سے) ڈرتے نہیں ہیں۔ پس
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ	اگر تم ان کو میدانِ جنگ میں پالو تو ان کو
فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ	ایسی سزا دو کہ ان کے علاوہ جو اس
لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝	ذہنیت کے لوگ ہیں وہ بھی محتاط ہو جائیں۔
(الانفال: ۵۵-۵۷)	شاید یہ نصیحت حاصل کریں۔

یہود کی ان سازشوں کے بعد معاہدے کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا، انھوں نے اپنے رویہ سے ثابت کر دیا کہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنے میں اسلامی ریاست حق بجانب ہے۔

بعض بین الاقوامی معاہدے

رسول اللہؐ نے جو معاہدے کیے وہ کئی طرح کے ہیں۔ ان کی شرائط میں بھی حسب حال فرق رہا ہے۔ بعض میں صرف امن و صلح کی بات طے ہوئی ہے، بعض میں خراج اور جزیہ جیسے مالی معاملات شامل ہیں، بعض میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا فیصلہ ہوا ہے یہاں ان میں سے چند ایک معاہدے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہؐ نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا۔ دونوں

---

[1] رازی، التفسیر الکبیر: المطبعۃ العامرہ، مصر ۴/۳۹۰

معاہدے ایک ہی تفصیلی معاہدے کا حصّہ تھے۔ یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں، اس کے بعض اجزا یہ ہیں:

ان یہود بنی عوف امۃ مع المومنین۔	بنو عوف کے یہود (اسی میں دوسرے قبائل بھی شامل تھے) مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہیں۔[1]
للیہود دینھم وللمسلمین دینھم	یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا۔
ان بطانۃ الیہود کأنفسھم	یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔
وان علی الیہود نفقتھم وعلی المسلمین نفقتھم وان بینھم النصر علی من حارب علی ھذہ الصحیفۃ، وان بینھم النصح والنصیحۃ والبر دون الإثم وانہ لم یأثم امرء بحلیفہ وان النصر للمظلوم	یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے۔ جو شخص اس صحیفے میں شامل طبقات کے خلاف جنگ کرے گا اس کے مقابلے ان کے درمیان تعاون ہوگا۔ ان کے درمیان نصح وخیرخواہی کا تعلق ہوگا۔ نیکی اور حسنِ سلوک بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غلط رویّہ اختیار نہیں کرے گا۔ جو مظلوم ہوگا اس کی حمایت کی جائے گی۔
ان الیہود ینفقون مع المومنین ماداموا محاربین۔	جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچ کریں گے۔

---

[1] اس کا مطلب جیسا کہ علامہ ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا ہے یہ ہے کہ یہود کو جنگ کی حالت سے سابقہ پیش آئے تو مسلمان معاہدے میں مذکور شرائط کے تحت ان کا مالی تعاون کریں گے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے تو دونوں کے دین الگ ہیں۔ جیسا کہ بعد کے جملے سے واضح ہے۔ کتاب الاموال: ص ۱۹۷

وان يثرب حرام جوفها	اس صحیفے میں شامل سبھی جماعتوں
لأهل هذه الصحيفة	کے لیے مدینہ حرم ہوگا۔
وانه ما كان بين اهل هٰذه	اس صحیفے کے فریقوں کے درمیان
الصحيفة من حدث او اشتجار	کوئی بات ہو یا اختلاف پیدا ہو جائے جس
يخاف فساده وان مردّه	سے بگاڑ اور فساد کا اندیشہ ہو تو معاملے
إلى الله عزوجل والى محمد	کو اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہؐ کی طرف
رسول الله صلى الله عليه وسلم[1]	لوٹا دیا جائے گا۔

اس معاہدے میں رسول اللہؐ نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے یہود کو مذہبی آزادی اور حقوق کی ضمانت دی ہے اور ریاست کے تحفظ کی ذمے داری میں بھی انھیں شریک کیا ہے۔

یہود نے اس معاہدے کی پابندی نہیں کی، سازشوں میں لگے رہے اور ایک سے دو بار دشمن کا ساتھ دیا تو معاہدہ ختم کر دیا گیا اور ان سے جنگ ہوئی۔ رسول اللہؐ نے انھیں مدینہ کے حدود سے باہر نکال دینا چاہا تو انھوں نے درخواست کی کہ انھیں مدینہ ہی میں رہنے دیا جائے۔ وہ آپ کو اپنے کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کا نصف ادا کرتے رہیں گے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور فرمایا جب تک ہم چاہیں گے یہاں تمہیں رہنے دیں گے۔ اس شرط کے ساتھ وہ مدینہ میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں انھیں شام منتقل کر دیا۔[2] اس معاہدہ کی نوعیت پہلے سے مختلف تھی۔

ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر آپ کے اور ان کے درمیان صلح ہوئی، اسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدۂ صلح کی بعض دفعات کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ بعض اور دفعات یہ تھیں۔

فریقین کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی رہے گی تاکہ دونوں طرف کے

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ ۲/ ۱۱۹ – ۱۲۳، کتاب الاموال ص ۱۹۵ – ۱۹۷

[2] بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب اذا قال رب الارض اقرك ما اقرك الله الخ مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ

لوگ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی جنگی اقدام سے احتراز کیا جائے گا اور کسی قسم کی خفیہ حرکت یا سازش نہیں ہوگی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حدیبیہ سے مدینہ لوٹ جائیں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور آیندہ آپ اور آپ کے ساتھی عمرہ کے لیے آئیں گے صرف تین دن مکے میں قیام کرسکیں گے۔ وہ غیر مسلح ہوں گے تلواریں نیام میں ہوں گی۔ کسی سوار کا جو ضروری سامان ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔

مکّہ کے کسی فرد کو آپ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکیں گے۔ البتہ آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکّہ میں رہ جانا چاہے تو آپ اسے نہیں روکیں گے[1]

اس معاہدے میں بہ ظاہر فریقین کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ قریش کے ناروا مطالبہ بھی مان لیے گئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض صحابہ اس سے ناخوش اور کبیدہ خاطر بھی تھے۔ لیکن اس وقت مصالح کا یہی تقاضا تھا۔ ریاست کو بہر حال یہ حق حاصل ہے کہ وہ وقت ضرورت اس طرح کا معاہدہ بھی کرسکتی ہے۔ اس نے بعد میں فتح و کامرانی کے دروازے کھول دیے۔

امام ابو یوسف نے یہ معاہدہ بہت تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اس کے شروع میں فرماتے ہیں:

قد وادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشا عام الحدیبیۃ وامسک عن محاربتھم فللامام ان یوادع اھل الشرک اذا کان فی ذلک صلاح الدین والاسلام وکان یرجو أن یتالفھم بذلک علی الاسلام[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے صلح کی اور ان سے جنگ سے دست کش ہوگئے، لہٰذا امام کو یہ حق ہے کہ وہ اہل شرک سے مصالحت کرے، اگر اس میں دین اور اسلام کی بہتری ہو اور یہ توقع ہو کہ وہ اس کے ذریعہ انھیں اسلام سے مانوس اور قریب کرسکے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ۔ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳/ ۳۶۶، ۲۶۸
[2] کتاب الخراج ص ۲۰۷

اس معاہدہ سے کوئی مالی پہلو متعلق نہیں ہے۔ قیام امن کے لیے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی پیش کش کی ہے اور نہ قریش ہی کی طرف سے اس طرح کی کوئی شرط رکھی گئی ہے۔ بغیر مال کے اس نوعیت کا معاہدہ وقت ضرورت ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے علامہ سیوطی شافعی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان الهدنة تعقد بغير مال[1] صلح مال کے بغیر منعقد ہو جاتی ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ وقتِ ضرورت مال دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس سے ریاست کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس کے وقار کے منافی ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: "مال دیے بغیر دشمن سے صلح جائز ہے جیسا کہ حدیبیہ میں صلح ہوئی تھی۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو مال دے کر بھی صلح کی جا سکتی ہے ورنہ یہ صحیح نہیں ہے"۔ امام شافعی فرماتے ہیں "مسلمان کمزور ہوں اور وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں تو اس سے صلح ہو سکتی ہے لیکن یہ صلح بغیر کسی مال کے ہوگی۔ کسی مسلمان کا اللہ کی راہ میں جان دینا شہادت ہے۔ اس لیے اس لیے اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اس سے بلند و برتر ہے کہ مسلمان مال دے کر دشمن سے جنگ سے باز آنے کی درخواست کرے۔ ہاں اگر دشمن کی اس قدر کثرت ہو کہ مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہو جائے کہ وہ انھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور انھیں بالکل ختم کر کے رکھ دیں گے، تو یہ ایک طرح کی ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس میں جواز کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان اگر گرفتار ہو جائے اور فدیہ دے کر ہی رہائی حاصل کر سکتا ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے[2]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ شدید ضرورت کے تحت فدیہ دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے اپنے حالات و ظروف اور امت کے مفاد کے پیش نظر اس نوعیت کا اقدام از روئے شرع ناجائز نہ ہوگا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی بڑے ضرر کو دفع کرنے کے لیے چھوٹے ضرر کو

---

[1] جلال الدین سیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۵۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[2] فتح الباری: ۶/ ۱۹۸۔

برداشت کرلیا جائے ۔ اس کی ایک مثال یہ دی ہے :۔

ولو احاط الكفار بالمسلمين ولا مقاومة بهم جاز دفع المال اليهم وكذا استنقاذ الاسرى منهم بالمال اذا لم يمكن بغيره لان مفسدة بقائهم في ايديهم واصطلامهم للمسلمين اعظم من بذل المال [1]	اگر کفار مسلمانوں کو گھیر لیں اور ان کا مقابلہ نہ ہوسکتا ہو تو ان کے لیے مال دے کر اس (صورت حال) سے بچنا جائز ہے۔ اسی طرح مال کے بغیر ان سے قیدیوں کا چھڑانا ممکن نہ ہو تو (اس صورت میں بھی مال دے کر انھیں چھڑانا جائز ہوگا) کیونکہ قیدیوں کا ان کے ہاتھوں میں ہونا اور ان کا مسلمانوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں بہت بڑی چیز ہے۔

علامہ ابوعبید کہتے ہیں کہ امام یا سربراہ مملکت اگر یہ دیکھے کہ مسلمانوں پر دشمن کے غلبے کا اندیشہ ہے اور فدیہ دے کر ہی اس سے بچا جاسکتا ہے تو اسے اس کا حق ہے۔ امام مسلمانوں کے مصالح کا نگراں ہے ۔ وہ اس کے پیش نظر اس طرح کا اقدام کرسکتا ہے [2]

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ جب ضرورت تقاضا کر رہی ہو اور مسلمانوں کی ہلاکت یا قید وبند کا اندیشہ ہو تو مال کے ذریعہ صلح جائز ہے، جس طرح ایک فرد فدیہ (مال) دے کر امان حاصل کرسکتا ہے اسی طرح ریاست کے لیے بھی اس کے جواز سے انکار نہیں کیا جاسکتا. اس میں ریاست کی ذلت اور توہین کا پہلو نکل رہا ہو تو بھی قتل، گرفتاری اور غلامی سے بچنا ایک بڑا مقصد ہے۔ اس کی خاطر اسے برداشت کرنا چاہیے ۔ علامہ ابوعبید اور علامہ ابن قدامہ نے اپنی تائید میں حسب ذیل واقعہ پیش کیا ہے ۔

جنگ خندق میں مختلف قبائل نے چاروں طرف سے ایک ساتھ مدینہ پر حملہ کردیا تھا۔ ایک مہینے کے قریب انھوں نے مدینہ کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ حالات نے

---

[1] سیوطی، الاشباہ والنظائر۔ ص ۸۷

[2] کتاب الاموال : ص ۱۵۸

زیادہ شدت اختیار کر لی تو آپ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن مری کو، جو قبیلۂ غطفان کے سردار تھے، پیش کش کی کہ اگر وہ ان قبائل کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنے لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں، تو انھیں مدینہ کی کھجور کی پیداوار کا ایک تہائی دیا جائے گا۔ یہ چیز تحریر میں بھی آگئی تھی۔ لیکن اس پر فریقین کے اور گواہوں کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں صرف اس کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اسے قطعی شکل دینے سے پہلے انصار کے سردار سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو طلب فرمایا اور ان سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم اس پر عمل کریں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے یا آپ ہمارے مفاد میں یہ چاہتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: قسم خدا کی میں نے تو تمہارے فائدے کے لیے سوچا ہے، سارا عرب ایک تیر سے تمہیں ہدف بنائے ہوئے ہے، ہر طرف سے قبائل تم پر ٹوٹ پڑے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان کی قوت کسی حد تک کم زور ہو۔ ان دونوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بھی اور یہ بھی شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے بے خبر تھے۔ اس حال میں بھی کبھی انھوں نے اس کی ہمت نہیں کی کہ ہماری پیداوار میں سے کوئی کھجور کھا سکیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں یا ہم سے خرید کر کھائیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ قوت بخشی ہے، ہمیں ہدایت سے نوازا ہے، دین اسلام کے ذریعہ اور آپ کے ذریعے سربلندی عطا کی ہے تو کیا ہم اپنا مال انھیں پیش کر دیں؟ ہم تو ان کے مقابلے میں تلوار اٹھائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے۔ آپ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور کہا کہ تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے تحریری اور مسودہ کو مٹا دیا اور کہا کہ وہ ہمارے خلاف جو چاہیں کریں[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں اگر بذریعۂ مال صلح کرنا فی نفسہٖ جائز نہ ہوتا تو اسے آپ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے سامنے مشورے کے لیے پیش ہی نہ فرماتے[2]

جنگی قیدیوں کا تبادلہ

بین الاقوامی سطح پر جنگی قیدیوں کے تبادلے اور ان کی رہائی کے لیے معاہدے ہوتے ہیں۔

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳/۲۳۹، ۲۴۰، کتاب الاموال: ص ۱۵۸، ۱۵۹

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۸/۴۶۰، ۴۶۱

اسلامی ریاست اس طرح کے معاہدے کر سکتی ہے۔ وہ اپنے جنگی قیدیوں کو چھڑانے کی ممکنہ حد تک کوشش کرے گی۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

یجب فداء الاسریٰ	مسلمان قیدیوں کا چھڑانا واجب ہے
المسلمین اذا امکن	اگر اس کا امکان ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، اسحٰق راہویہ کی ہے[1]

اس سلسلہ کے بعض واقعات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

حضرت سلمہ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں جو حضرت ابوبکرؓ کی سربراہی میں بھیجا گیا تھا، ہم نے دشمن پر حملہ کیا۔ جنگ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے غنیمت میں مجھے بنو فزارہ کی ایک لونڈی دی جو بہت خوبصورت تھی۔ میں اسے لے کر مدینہ پہنچا۔ بازار میں رسول اللہؐ سے میری ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا سلمہ، یہ عورت مجھے دے دو، دوسرے روز بھی آپ نے یہی بات فرمائی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، یہ آپ کی ہے۔ میں نے اس سے کوئی جنسی تعلق نہیں قائم کیا ہے۔ یہ لڑکی آپ نے مجھ سے لی اور اس کے عوض مسلمان قیدیوں کو جو مکہ میں گرفتار تھے رہا کرایا[2]

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا ایک آدمی فدیہ میں دے کر دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔[3]

اسلامی ریاست مال کے عوض دشمن کے قیدیوں کو رہا کر سکتی ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے اسے ناپسند کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سے دشمن کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ لیکن حضرت حسن بصری اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے چالیس قیدیوں کو جو اچھے شہسوار اور تیر انداز تھے، فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق ان سے دریافت فرمایا تو کہا کہ وہ ہماری فوج کو بھی کوئی دھوکا دے سکتے تھے۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی ۸/۴۴۵

[2] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب التنفیل و فداء المسلمین بالاساریٰ۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب الرخصۃ فی المدرکین یفرق بینھم۔

[3] ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی قتل الاساریٰ۔

اس لیے میں نے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیا اور مسلمانوں کے درمیان شریعت کے مطابق مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اتفاق کیا۔[1]

جو قوم جنگ نہ کرے اس سے جنگ نہ کی جائے

کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ رہے تو اسلامی ریاست اس سے خواہ مخواہ کشمکش مول نہ لے گی۔ جیسا کہ حبشہ اور ترک کے معاملہ میں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی۔

اترکوا الحبشۃ ما ودعوکم واترکوا الترک ما ترکوکم[2]

اس حدیث میں صاف کہا گیا ہے جب تک یہ ریاستیں اسلامی ریاست کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہو رہی ہیں اور اس سے الگ تھلگ اور کنارہ کش ہیں اس لیے ان سے محاذ آرائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی ریاستوں سے صلح کے معاہدے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی مرحلے میں وہ اسلامی ریاست کے خلاف مہم جوئی شروع کر دیں اور اس پر یلغار کر دیں تو ریاست کا دفاع از روئے شرع ضروری ہے۔ حملہ آور کا جواب پوری قوت سے دیا جائے گا۔

اسلامی ریاست بے شک ایک نظریاتی ریاست ہے لیکن اسے ایک جنگ جو ریاست کی شکل میں پیش کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اس نے ہر حال میں نہ تو جنگ کو لازم قرار دیا ہے اور نہ ہر ایک سے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ وہ آزادیٔ فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق مانتی ہے۔ اس کے لیے اس نے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسی کے ذریعہ وہ اپنے حق میں فضا ہموار کرنا چاہتی ہے۔ حالات کے تحت اس نے جنگ و صلح کے اقدامات بھی کیے ہیں، امن و امان کے معاہدے بھی کیے ہیں اور غیر جانب دار بھی رہی ہے۔ وہ وسیع آفاقی تصور کے تحت سیاسی اقدامات کرتی ہے اور اس میں اپنے مفادات کو نظر انداز نہیں کرتی اور نہ اس کی اس سے توقع کی جا سکتی ہے۔ دنیا کی ہر ریاست اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر ہی بین الاقوامی معاہدے کرتی ہے۔ اسلامی ریاست کو بھی یہ حق ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں اپنے مفادات کی نگرانی کرے اور اس کے تحت فیصلے کرے۔ اسے اپنے مفادات کو نظر انداز کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] ابو عبید، کتاب الاموال ص ۱۲۲

[2] ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب فی النہی عن تہییج الترک والحبشہ